Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر مظہر اقبال کلیار

ڈاکٹر عامر اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Dr. Mazhar Iqbal Kalyar
Dr. Aamar Iqbal
Assistant Professor Lahore Leads University

Sketch Writing Of Ata-ul-Haq Qasmi :Research And Critical Review

Ata Ul Haq Qasmi is a humorist and his humor reflects in various genres of literature. These genres include opinion pieces, Drama, Parody, and Sketches. The sketch is the most popular of these categories. Comprehension of all aspects of a person and light humor are the most striking qualities of his sketch writing. Although he has not written extensively on personalities, his piercing gaze on the personality of a person stands out. This is one of the reasons for his being a representative caricaturist of his generation. This essay in focus concentrates on literary -cum - intellectual analysis of this aspect of his writings۔

Keywords: reflects, various, comprehension, aspects, striking, personality, analysis.

عطاء الحق قاسمی بنیادی طور پر مزاح نگار ہیں لیکن یہ مزاح ہمیں ادب کی مختلف اصناف میں بار پا تا دکھائی دیتا ہے۔ جن میں مقالے کالم، ڈراما، پیروڈی اور خاکہ نگاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خاکہ نگاری ادب کی وہ صنف ہے جس کی مقبولیت کا گراف شاید سب سے زیادہ ہے۔ مردم شناسی اور شگفتگی اس صنف کی خاص صفات ہیں۔ عطاء الحق قاسمی نے اگرچہ خاکہ نگاری کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی لیکن ان کے اندر مردم شناسی کا جو نمایاں عنصر ہے اس کی بنا پر وہ خاکہ نگاری کے نمایاں نمایندے قرار پاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون عطاء الحق قاسمی کے اسی ہنر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لینے کی کاوش ہے۔

خاکہ کسی جانی پہچانی شخصیت کے ظاہر و باطن کے مطالعہ و مشاہدہ کی ایسی تحریری تصویر کشی کا نام ہے جسے پڑھنے والے زیرِ موضوع شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کے دل چسپ مزاج اور کردار و افکار کی جھلک سے بھی بہ خوبی آگاہ ہو پائیں۔

کشاف تنقیدی اصطلاحات میں درج تعریف کے مطابق:

"ادب کی جس صنف کے لیے انگریزی میں سکیچ یا پن پورٹریٹ کا لفظ استعمال ہوا ہے اسے اُردو میں خاکہ کہتے ہیں۔ خاکہ ایک سوانحی مضمون ہے جس میں شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو اس طرح اُجاگر کیے جاتے ہیں کہ اس شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں پیدا ہو جاتی

Corresponding Author›s Email: **khuramcom@gmail.com**

ہے۔"(۱)

اُردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی اور عمدہ نقوش مولانا محمد حسین آزاد کی "آبِ حیات" میں پائے جاتے ہیں۔ جب کہ اُردو خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کے ۱۹۲۷ء میں شائع ہونے والے خاکے "نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی اور کچھ میری زبانی" سے ہوتا ہے۔ اردو خاکہ نگاری کے تقریباً ایک صدی سے رواں دواں تخلیقی کارواں کا حصہ بننے والے جن صاحبانِ فن نے اس دل چسپ صنفِ ادب کو پروان چڑھانے کے لیے اپنی فنی صلاحیتوں کے بھرپور جوہر دکھائے ہیں، ان میں مرزا فرحت اللہ بیگ کے علاوہ مولوی عبدالحق، چراغ حسن حسرت، رشید احمد صدیقی، عصمت چغتائی، شوکت تھانوی، سعادت حسن منٹو، مولانا عبدالمجید سالک، اشرف صبوحی، دیوان سنگھ مفتون، ممتاز مفتی، شاہد احمد دہلوی، سیّد ضمیر جعفری، میرزا ادیب، قرۃ العین حیدر، لطف اللہ خان، اے حمید، عبدالسلام خورشید، جگن ناتھ آزاد، نظیر صدیقی، محمد طفیل، رحیم گل اور عہدِ رواں میں عطاء الحق قاسمی اور ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کے نام شامل ہیں۔

عطاء الحق قاسمی اُردو کے ممتاز مزاح نگار، بلند پایہ کالم نگار، ڈراما نویس، سفر نامہ نگار اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ منفرد پہچان کے حامل خاکہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنی خاکوں کی کتاب "مزید گنجے فرشتے" میں علمی، ادبی اور صحافتی زندگی سے تعلق رکھنے والی اڑتیس شخصیات کو نہایت خوب صورتی سے تحریر میں مثلِ تصویر کیا ہے۔

صاحبِ کتاب نے صاحبانِ موضوع سے ہونے والی ملاقاتوں اور تعلقات کو اپنی قلمی ہنر مندی اور شگفتہ بیانی سے خاصے کی چیز بنا دیا ہے۔ لائقِ صد توجہ اور باعثِ بہجت یہ تحریریں عہدِ گزشتہ کی باکمال ہستیوں کی ذات و صفات کی بے مثال عکس بندی پیش کرتی ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر اشفاق احمد ورک نے عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری پر پر مغز تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"عطاء الحق قاسمی کے خاکوں میں مزاح اور طنز غالب عنصر کی صورت میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں شخصیات کے وقار کو مجروح کر دینے والا عمل کہیں نظر نہیں آتا۔ بل کہ ان کے مزاح میں بھی احترام کی زیریں لہر رواں دواں نظر آتی ہے۔ بعض خاکوں میں احترام کی یہ زیریں لہر منظرِ عام پر آ گئی ہے مگر ایسے مواقع پر خاکہ، خاکہ ہی رہتا ہے مدلل مداحی نہیں بنتا۔ ان کا خاص انداز ہے کہ آغاز میں قارئین کو ہنسنے ہنسانے کے ہنر سے آشنا کرتے ہیں اور پھر زیرِ تحریر شخصیت کی مختلف پرتیں کھولنا شروع کر دیتے ہیں جب کہ آخر میں ان کے ہاں گہری سنجیدگی در آتی ہے کہ سارے ہنسی مذاق کا اختتام بالآخر ایک سنجیدگی پر ہوتا ہے جس میں زندگی کے دکھ اصل سچائیوں کی طرح نمودار ہو جاتے ہیں۔"(۲)

کتاب میں نظم اور غزل کے قادر الکلام شاعر، قومی ترانے اور "شاہنامہ اسلام" کے خالق ابو الاثر حفیظ جالندھری سے متعلق دو خاکے شامل ہیں۔ یہ خاکے شگفتہ بیانی کی بہترین مثال ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ خاکہ کے کمالِ فن، حسنِ سلوک اور نشست و برخاست کا بھرپور نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"میری عمر اس وقت سترہ برس تھی اور حفیظ صاحب کی عمر اس وقت بھی شاید اتنی ہی تھی۔ کیوں کہ اس وقت بھی ان کی صحت ہو بہو آج جیسی تھی۔ وہ بالائی منزل پر ڈرائنگ روم کے قالین پر صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور انھوں نے جسم پر سفید چادر اس طرح اوڑھی ہوئی تھی جس طرح احرام باندھا ہو۔ برابر والے صوفے پر ایک صاحب بیٹھے ان سے بات کر رہے تھے اور باتیں کرتے کرتے وہ بار بار زمین پر ان کے برابر بیٹھنے کے لیے اپنی جگہ سے سرکتے۔ مگر حفیظ صاحب ان کی کلائی پکڑ لیتے۔"(۳)

عہد ساز ادیب و شاعر احمد ندیم قاسمی کے خاکے میں عطاء صاحب نے ان کی جلوت و خلوت کے منفرد اور دل چسپ نقوش کو نہایت کامیابی سے اُجاگر کیا ہے۔ ان کی بے پناہ ادبی فتوحات، نیک نیتی اور اعلیٰ کردار کا ذکر بہت عمدہ الفاظ میں رقم کیا گیا ہے۔ خاکے کی تحریر کے لفظ لفظ میں محبت کی خوشبو رچی بسی ہے اور شوخی و شگفتگی کے خوب صورت رنگ بھی جا بہ جا ملتے ہیں۔

عطاء صاحب خاکے کا آغاز احمد ندیم قاسمی کی ادبی بلند قامتی کے اعتراف سے کرتے ہیں۔ خاکے میں لطیفے کے بر محل استعمال نے تحریر کی لطافت و دل کشی میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے اور یہی عطاء صاحب کے حسنِ بیان کی خوبی ہے۔ لکھتے ہیں:

"ایک خرگوش نے پہلی بار ہاتھی کو دیکھا تو اس پہاڑ ایسی مخلوق کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے حیرت سے آنکھیں ملیں اور پھر پوچھا "تم کون ہو؟" ہاتھی نے جواب دیا "میں ہاتھی ہوں" خرگوش نے ایک بار پھر اس کے قد و قامت پر نظر ڈالی اور حیران ہو کر پوچھا "تمہاری عمر کتنی ہے؟" ہاتھی نے کہا "چھ ماہ" خرگوش خاموش ہو گیا۔ ہاتھی نے اسے یوں چپ ہوتے دیکھا تو پوچھا "تمہاری عمر کتنی ہے؟" اس بار خرگوش نے اپنے جسم کو ٹٹولا اور پھر جھینپتے ہوئے کہا "عمر تو میری بھی چھ ماہ ہی ہے مگر میں پچھلے دنوں ذرا بیمار شمار رہا ہوں۔" سو معاملہ یہ ہے کہ احمد ندیم قاسمی ہیں اور میں بھی قاسمی ہوں اور یہ جو ہم دونوں کے ادبی قد و قامت میں تھوڑا بہت فرق نظر آتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ پچھلے دنوں میں بھی ذرا بیمار شمار رہا ہوں۔"(۴)

عطاء الحق قاسمی اپنی مردم شناسی کی خصوصیت سے زیرِ موضوع شخصیت کے منفرد پہلوؤں کو کامیابی سے اُجاگر ہی نہیں کرتے بل کہ اپنی فطری شگفتہ نگاری کی بدولت خاکے کی عبارت کو خاصے کی چیز بھی بنا دیتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے خاکے سے بہ طور مثال ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"ٹرین میں سفر کے دوران لطیفوں کا دور شروع ہوتا ہے تو ایسے "مقوی" لطیفے سناتے ہیں کہ "مایوس نوجوان" بھی اپنے اندر زندگی کی لہر محسوس کرنے لگتے ہیں اور جب وقت گزاری کے لیے تاش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو قاسمی صاحب وہ "رونديال" مارتے ہیں کہ اپنا بچپن نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ ان کی یہ معصومانہ حرکتیں مقامِ مشاعرہ پر پہنچ کر بھی جاری رہتی ہیں۔ چناں چہ مشاعرے کے اختتام پر وہاں رہائش کے لیے مختص کمرے میں کپڑے تبدیل کرتے وقت وہ ہمیں نہ دکھائی دینے والے "ڈولے" پہلوانوں کے انداز میں دکھاتے ہیں اور بچوں کی طرح معصوم ہنسی ہنستے ہیں۔"(۵)

ڈاکٹر بشیر سیفی متذکرہ بالا دل چسپ خاکے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احمد ندیم قاسمی سے ہماری ملاقات عطاء کے اسی خاکے میں ہوتی ہے۔ ورنہ جتنے لوگوں نے بھی احمد ندیم قاسمی کے بارے میں لکھا ہے۔ وہ ان کی عظمت کے سامنے مؤدب نظر آتے ہیں۔ جب کہ عطاء نے حدِ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بھی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا ہے۔"(۶)

اسی طرح قاسمی صاحب نے اُردو کے بلند پایہ ادیب و شاعر اور شہرہ آفاق خود نوشت "دانش بیتی" کے مصنف احسان دانش کی شخصیت کا عکس خاکے میں اس ہنر مندی سے قلم بند کیا ہے کہ ان کی جہدِ مسلسل اور ادبی فتوحات کا عکس کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ احسان دانش صاحب کی ذات کی ہمہ رنگی کے بیان میں مصنف نے ایک تبسم آور واقعہ کو زینتِ خاکہ بنا کر ان کی خوش مذاقی کی خصوصیت کو کمالِ خوبی سے قارئین کی نذر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"جناب احسان دانش کے ساتھ مشاعرہ پڑھنا ایک انتہائی خوش گوار فعل ہے اور ان کے ساتھ سٹیج پر بیٹھنا قدرے مشکل کام ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں محفل سے نکالے جانے کے امکانات خاصے روشن ہوتے ہیں۔ یہ بات میں تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ گویا یہ تجربہ ادھورا ہے کیوں کہ محفل سے نکالے جانے کی نوبت متعدد بار بس آتے آتے رہ گئی ہے۔ معاملہ کچھ یوں ہے کہ سٹیج پر احسان صاحب کھدر کی قمیض اور پائجامہ پہنے سر پر ٹوپی رکھے متانت اور سنجیدگی کی تصویر بنے بیٹھے ہوتے ہیں لیکن ان کی اس متانت اور سنجیدگی کا احوال ان کے برابر میں بیٹھا ہوا وہ شخص بتا سکتا ہے جس کے کان میں احسان صاحب ہولے سے کوئی جملہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ جملہ احسان صاحب نے کسی شاعر پر کسا ہوتا ہے اور اتنا بھرپور ہوتا ہے کہ سننے والے کو اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ چناں چہ بیچارا، آشوبِ قہقہہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کبھی اپنے چہرے کو ہاتھوں سے ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی اپنے قہقہے کو دبی ہنسی میں تبدیل کرنے کی تگ و دو کے دوران اپنے چہرے کی رگیں سرخ کر لیتا ہے۔"(۷)

قاسمی صاحب ایک عرصہ تک ''نوائے وقت'' میں معروف کالم نگار اور شاعر وقار انبالوی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ وقار انبالوی اپنے حلقۂ احباب میں اپنی بزرگی کی وجہ سے ''باباجی'' کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ خاکے میں ان کی سگریٹ نوشی اور فعال و سرگرم شخصیت کا احاطہ ان دل چسپ الفاظ میں کرتے ہیں:

''باباجی کی عمر اس وقت پچانوے برس ہے اور ان کی ذات سگریٹ نوشوں کے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ وہ گزشتہ اسی برس سے سگریٹ پی رہے ہیں اور ان تمام امراض سے محفوظ ہیں، جن کا ذکر کر کے ڈاکٹر حضرات سگریٹ نوشی کا مزا کرکرا کرنے کی کوششوں میں مشغول رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام میں باباجی کے شب و روز کی تفصیل دکھائی گئی۔ جس میں ان کے شرقپور سے روزانہ لاہور آنے ''سرِ راہے'' اور قطعہ لکھنے اور دوسری سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی گئی۔ یہ دوسری سرگرمیوں کی تفصیل والا فقرہ میں رواداری میں لکھ گیا ہوں۔ کیوں کہ ٹیلی ویژن کے لیے ان سرگرمیوں کی جھلک دکھانا ممکن نہیں تھا۔ حالاں کہ باباجی کی طوالت عمر کا راز انھی سرگرمیوں میں مضمر ہے۔ یہ میرا نہیں باباجی کا مؤقف ہے۔ میں تو صرف ان سے اتفاق کرتا ہوں۔ بابا وقار انبالوی کو جب میں کالم اور قطعہ لکھتے دیکھتا ہوں تو آپ یقین کریں پریشان ہو جاتا ہوں۔ وہ کاغذ قلم پکڑتے ہیں اور بہت شتابی سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ورنہ پچانوے برس کی عمر میں تو انسان کو فوت ہوئے بھی کم از کم پچیس برس گزر چکے ہوتے ہیں لیکن ہمارے باباجی پچیس برس کے نوجوان کی طرح ایکٹو نظر آتے ہیں۔''(۸)

اُردو زبان کے عہد ساز مزاحیہ شاعر سیّد ضمیری جعفری کا خاکہ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوئوں کی خوب صورت تصویر کشی ہے۔ مصنف نے جعفری صاحب کی شگفتہ کلامی کے ساتھ ساتھ ان کی شگفتہ نگاری کی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے انھیں اردو کا دوسرا بڑا مزاحیہ شاعر قرار دیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''آپ نے دیکھا ہو گا کہ کچھ لوگ جو اپنی گفتگو سے محفل کو کشتِ زعفران بنا دیتے ہیں جب لوگوں کے جھانسے میں آکر مزاح لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لوگ ان کی اس حرکت پر ہنسنے لگتے ہیں اور کچھ لوگ جو بے حد شگفتہ نگار ہوتے ہیں، ان سے گفتگو کریں تو پندرہ بیس منٹوں میں اباسیاں آنے لگتی ہیں۔ مگر اپنے ضمیر صاحب ان معدودے چند مزاح نگاروں میں سے ہیں جن کی تحریر اور گفتگو کی شگفتگی یکساں طور پر مخاطب کو اپنی گرفت میں لیے رکھتی ہے۔ میں نے ایک بار ضمیر صاحب کی مزاحیہ شاعری کے بارے میں لکھا تھا کہ اکبر الٰہ آبادی کے بعد ضمیر جعفری اردو مزاحیہ شاعری میں سب سے قد آور شخصیت ہیں اور اپنے اس بیان پر آج بھی قائم ہوں۔''(۹)

معروف شاعر اور ماہرِ تعلیم انجم رومانی کا خاکہ ان کی عادات و اطوار اور فن کا عمدہ مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس خاکے میں قاسمی صاحب نے صاحبِ خاکہ کی ذات سے جڑی کچھ دل چسپ عادات کو بھی موضوعِ تحریر بنایا ہے جس میں ایک عادت ان کی مترنم کھانسی بھی ہے۔ جس کی مخصوص موقعوں پر ''آمد'' ہوتی تھی۔ لکھتے ہیں:

''انجم رومانی ہر وقت مترنم لہجے میں ہولے ہولے کھانستے رہتے ہیں۔ جب وہ کھانس رہے ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ ایک ''ردھم'' کے ساتھ چاندی کے ورق کوٹے جا رہے ہیں۔ انجم صاحب کی یہ کھانسی ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے مشاعروں میں بھی دکھائی اور سنائی دیتی ہے۔ منیر نیازی کی بدگمانی کے مطابق انجم صاحب کو یہ کھانسی کسی شاعر کے اچھے شعر پر چھڑتی ہے۔''(۱۰)

بلاشبہ قاسمی صاحب زیرِ بحث شخصیت کا مشاہدہ و مطالعہ کمال خوبی سے پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فوزیہ چودھری کی رائے اہمیت کی حامل ہے۔ لکھتی ہیں:

''عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری میں جدت پائی جاتی ہے اور انھوں نے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق شخصیت کو متعارف کرانے کے سارے ہی ڈھنگ برتے ہیں۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اپنے مشاہدات ہم تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا انداز تفصیلی اور توضیحی ہوتا ہے اور زیرِ بحث شخصیت اپنی جزئیات سمیت ہمارے سامنے آموجود ہوتی ہے۔ کہیں تو وہ کہانی پن کا سہارا لیتے ہیں اور کہیں مزاح کا، کہیں اپنے ذاتی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے شخصیت کا تعارف کراتے ہیں، کہیں واقعات کے تار و پود سے شخصیت اُبھارتے ہیں اور کہیں دل چسپ لطائف کی کڑیاں واقعات سے

ملاتے ہوئے شخصیت کے خدوخال سے قاری کو آگاہ کرتے ہیں۔ اس پر ان کا دل چسپ، سادہ، سلیس اور موثر اسلوب بیاں، قاری کی دل چسپی مسلسل بر قرار رکھتا ہے کہ خاکہ پڑھنے کے بعد قاری دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ وہ اس شخص کو بخوبی جانتا ہے خواہ وہ زندگی میں اسے کبھی بھی نہ ملا ہو۔"(۱۱)

ممتاز مزاح نگار، افسانہ نویس اور سفر نامہ نگار شفیق الرحمن کا خاکہ ایک جان دار تحریر ہے جس میں ان کی زندگی کے دل چسپ نقوش کی قلمی عکس بندی اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ یہ خاکہ ایک خوب صورت مزاح پارہ ہے اور حقیقت نمائی کا عمدہ نمونہ بھی۔ جس میں صاحب خاکہ کی زندگی سے جڑے دیگر معاملات کے ساتھ ان کی ادبی خصوصیات و فتوحات کا تذکرہ عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔ قاسمی صاحب خاکے میں ان کے جمال و کمال کی تصویر کشی ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"شفیق الرحمن بہت کم لوگوں سے ملتے ہیں اور کھلتے تو بہت کم ہیں۔ حتیٰ کہ حوروں کو بھی یہ شکایت ہمیشہ سے رہی ہے کہ یہ مومن بہت کم آمیز ہے۔ ذرا شفیق صاحب کی جوانی کا دور اپنی نظروں کے سامنے لائیں، فوج میں کپتان، انتہائی وجیہہ و جمیل، اتنے وجیہہ و جمیل کہ کئی زلیخاؤں نے اپنی اُنگلیاں زخمی کر ڈالیں۔ شہرت و مقبولیت کے بام عروج پر، افسانوں میں روحانیت حد درجہ ان سب چیزوں نے مل کر حسیناؤں کے دلوں پر کیا کیا قیامتیں ڈھائی ہوں گی لیکن یہ شاہین ہزار ترغیبات کے باوجود زیر دام نہ آیا۔ بل کہ محبت میں آہ و زاری، تارے گننے اور گریبان چاک کرنے والوں کی "حالتِ زار" کی جو پیروڈیاں شفیق الرحمن نے کی ہیں، اس سے بہتوں کا بھلا ہوا ہو گا۔ ورنہ رضیہ بٹ، بشریٰ رحمن وغیرہ نے تو گھر گھر صفِ ماتم بچھوانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تاہم واضح رہے کہ "برساتی" جیسا افسانہ بھی شفیق الرحمن ہی کا لکھا ہوا ہے جس میں محبت کی دھیمی دھیمی آنچ دلوں کو پگھلا دیتی ہے۔"(۱۲)

افتخار عارف جو کہ ایک معروف شاعر، اکادمی ادبیات کے چیئر مین اور قاسمی صاحب کے ہم عصر اور دوست ہیں۔ ان کا خاکہ ان کی شخصیت ہی نہیں فن کا بھی پوری طرح احاطہ کرتا ہے۔ قاسمی صاحب نے ان کی شخصیت کو پیچیدہ قرار دینے کے باوجود ان کی ذات سے متعلق قارئینِ ادب کو بہت سارے معاملات سے آگاہی بخشی ہے۔ ان کے شعری محاسن پر روشنی ڈالی ہے اور ان کی "شہرِ اقتدار" سے محبت اور ہر دور میں اہم ادبی اداروں کی سربراہی پانے کی تگ و دو کو نشانۂ قلم بھی بنایا ہے۔ نیز انھیں ایک مال دار درویش بھی قرار دیا ہے۔ زیرِ بحث خاکہ افتخار عارف کی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کا ایک عمدہ مطالعہ، ایک خوب صورت شخصی و صفاتی عکس بندی اور ایک منفرد لطفِ بیان کی حامل دل چسپ تحریر ہے۔ خاکے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"افتخار عارف میرے ان دوستوں میں سے ہے جن کی شخصیت کی تہہ تک پہنچنا صرف دوسروں کے لیے نہیں بل کہ خود ان کے لیے بھی قریباً ناممکن ہے۔ میں افتخار عارف کے جتنا قریب جاتا ہوں اتنا ہی اُلجھتا چلا جاتا ہوں۔ وہ بظاہر کچھ اور نظر آتا ہے۔ در حقیقت وہ کچھ اور ہے۔ مثلاً دیکھنے میں وہ مکمل طور پر دنیادار شخص ہے۔ مگر میں یہ بھی جانتا ہوں وہ ایک عبادت گزار شخص ہے۔ وہ آدھی رات کو خدا کے حضور آہ و زاری کرنے والا سوالی ہے۔ بظاہر وہ عہدہ و منصب کی ہوس میں مبتلا ہے لیکن یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد وہ فیڈرل لاجز اسلام آباد کے جس سوٹ میں رہتا ہے اس میں دو چارپائیاں بچھی ہیں جن میں سے ڈیڑھ چارپائی پر اس کی کتابیں اور باقی آدھی چارپائی پر سارا دن آداب کہتا اس کا تھکا ہوا جسم پڑا رہتا ہے۔"(۱۳)

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اردو اور پنجابی زبان کے محقق، نقاد اور مزاحیہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ قاسمی صاحب کے بے تکلف دوست بھی ہیں۔ اس لیے ان کے خاکے میں قاسمی صاحب کی شگفتہ نگاری کے جوہر خوب کھلتے نظر آتے ہیں۔ یہ خاکہ ایک دل چسپ تحریر کے ساتھ ساتھ صاحبِ خاکہ کی ظاہری و باطنی شخصیت و صفات کے منفرد نقوش کا احاطہ نہایت خوبی سے کرتا ہے۔ خاکے میں ڈاکٹر صاحب کے ظاہری خدوخال اور خوش خوراکی نیز "نسوار شناسی" کے معاملے میں ان کی مثالی حسِ شامہ کو شگفتہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"انعام ماشاء اللہ خوش شکل بھی بہت ہے۔ دراز قد، تیکھے نین نقش اوپر سے خاصی متوازن قسم کی مونچھیں جنھیں کچھ عرصے سے وہ خواہ مخواہ مروڑ تا بھی رہتاہے۔ حالاں کہ کسی کو ڈرانا اس کے "منشور" میں شامل ہی نہیں۔ خوش خوراکی اس پر مستزاد ہے۔ اس نے تو اسلام آباد جیسے شہر میں بھی کھوج لگالیا ہے کہ بچھڑے کے پائے جیسے پائے کہاں ملتے ہیں اور مزنگ چونگی جیسی مچھلی کہاں سے دستیاب ہے اور تو اور وہ تو سونگھ کر بتا دیتا ہے کہ یہ نسوار پرانی انار کلی کے معیار کی ہے یا نہیں۔"(۱۴)

معروف شاعر خالد احمد بھی قاسمی صاحب کے بے تکلف دوستوں میں شامل تھے۔ بل کہ احمد ندیم قاسمی کے زیرِ تربیت شعراء اور ادباء کا جو حلقہ سامنے آیا، یا جنھیں عام اصطلاح میں "فنون گروپ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہ دونوں احباب اس گروپ کے اہم ترین اور متحرک ممبران تھے۔ ان کے خاکے میں ان کی شخصیت کے دل چسپ پہلوئوں پر شیریں و شگفتہ الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاکے میں عطاء صاحب نے ایک بے تکلف دوست کی حیثیت سے خالد احمد کی ذات و عادات کی عمدہ پیکر تراشی کی ہے۔ ان کی شاعری کے محاسن کی بجائے ان کی دوستوں سے بے لوث محبت اور تند و تیز جملوں سے "تواضع" کی خصوصیت کو پر مزاح انداز میں موضوعِ سخن بنایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مجھے اب صحیح طرح تو یاد نہیں مگر اندازہ ہے کہ میں اس سے پہلی بار ایک مشترک دوست کی وساطت سے ملا تھا۔ خالد احمد نے مجمع لگایا ہوا تھا اور وہ روحی کنجاہی اور نجیب احمد پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ نجیب احمد کے چہرے سے لگتا تھا کہ وہ اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکالتا جا رہا ہے۔ مگر روحی کنجاہی ہمہ تن گوش ہیں، جس کا نتیجہ آج ہم سب کے سامنے ہے کہ اب اسے آلۂ سماعت استعمال کرنا پڑتا ہے۔ روحی کو بھی خالد احمد سے اتنی محبت ہے کہ وہ آج اتنے برس گزرنے کے بعد بھی محض خالد احمد کے تیز اور کٹیلے جملے سننے کے لیے "فنون" کے دفتر پہنچ جاتا ہے۔"(۱۵)

اور شہرہ آفاق کتاب "اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" اور علامہ اقبال ٹائون میں قاسمی صاحب کے ہمسائے معروف محقق، نقاد اور ماہرِ نفسیات جناب ڈاکٹر سلیم اختر کے خاکے کو قاسمی صاحب کی خاکہ نگاری کی عمدہ مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ خاکہ، صاحب خاکہ کی زندگی کے احوال و کمال پر مشتمل ایک دل چسپ تحریر ہے۔ مصنف نے اس میں زیرِ بحث شخصیت کی عادات و صفات کو بیان کرتے ہوئے سنجیدہ اور شگفتہ دونوں طرح کے طرزِ تحریر کے خوب صورت نمونے پیش کیے ہیں۔ خاکے میں ڈاکٹر صاحب کا بیان کیا گیا سراپا بہ طور مثال ملاحظہ ہو:

"پچاس کا سن اور اس کے باوجود سر پر پورے بال، چاہے گن کر پورے کرلیں۔ سانولا رنگ، کتابی چہرہ، چہرے پر عینک جو انہیں معنک بنانے کی بجائے ان کی شخصیت کو مزید باوقار بناتی ہے۔ دورانِ گفتگو کھلکھلا کر ہنستے ہیں اور اچھے لگتے ہیں۔ کالج یا تقریبات میں جاتے وقت گرمیوں میں پینٹ بوشرٹ اور سردیوں میں سوٹ میں ملبوس ہوتے ہیں جب کہ گھر میں اور علامہ اقبال ٹائون کے جہاں زیب بلاک میں ہوائی چپل، دھاری دار پاجامہ اور تنگ چولی والی ایک قمیص پہن کر پھرتے ہیں۔ اس میں سے نیلے رنگ کا دھاری دار پاجامہ تو اب ان کا "ٹریڈ مارک" بن گیا ہے۔ کیوں کہ قمیص کا رنگ تبدیل ہوتا رہتا ہے مگر پاجامہ وہی رہتا ہے۔"(۱۶)

کتابوں کی تقریبِ رونمائی میں پڑھی جانے اور اخباری کالموں کی زینت بننے والی ان تحریروں میں اگرچہ قاسمی صاحب نے تقریبات کی روایت کو نبھاتے ہوئے اپنے میزبانوں کی ذات کو خصوصیت سے زیرِ بحث لانے کی بجائے زیادہ تر ان کی علمی و فنی خوبیوں کو پیشِ نظر رکھا ہے، اس کے باوجود آپ زیر موضوع بننے والی شخصیات کی منفرد عادات و صفات کے بیان میں پہلو تہی کے مرتکب بھی نہیں ٹھہرے۔ بل کہ مذکورہ بالا بیشتر خاکے لفظی پیکر تراشی کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔ قاسمی صاحب نے ان خاکوں میں علم و ادب سے متعلق شخصیات کی ذات کے دل چسپ پہلوئوں کو اپنی خوبیٔ بیان سے یادگار تحاریر کے روپ میں ڈھال دیا ہے۔ ایک عہد کی سماجی خصوصاً علمی و ادبی تاریخ و تہذیب کی ایک خوب صورت جھلک ہمیں ان خاکوں میں دکھائی دیتی ہے۔

حوالہ جات:

۱- حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز: کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۲۷

۲- اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، عطاء الحق قاسمی: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد ۲۰۱۰، ص ۱۱۷

۳- عطاء الحق قاسمی، مزید گنجے فرشتے، نستعلیق مطبوعات، اُردو بازار، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۹

۴- ایضاً، ص ۱۹

۵- ایضاً، ص ۲۱

۶- بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری (فن و تنقید)، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۳ء ص، ۹۳

۷- عطاء الحق قاسمی، مزید گنجے فرشتے، نستعلیق مطبوعات، اُردو بازار، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۳۵

۸- ایضاً، ص ۴۴، ۴۵

۹- ایضاً، ص ۵۶

۱۰- ایضاً، ص ۶۲

۱۱- فوزیہ چودھری، ڈاکٹر، عطاء الحق قاسمی، شاداب موسموں کی آواز، نستعلیق مطبوعات اُردو بازار، لاہور، ۲۰۰۹ء ص ۱۴۷-۱۴۶

۱۲- عطاء الحق قاسمی، مزید گنجے فرشتے، نستعلیق مطبوعات، اُردو بازار، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۷۳-۷۲

۱۳- ایضاً، ص ۹۶

۱۴- ایضاً، ص ۱۲۲

۱۵- ایضاً، ص ۱۷۴

۱۶- ایضاً، ص ۱۸۳